دینی مدارس اور علما کا کردار

درسِ نظامی پر چند اشکالات اور ان کے جوابات

مولانا سعید احمد جلال پوری

گزشتہ دنوں ایک دینی مدرسہ کے طالب علم نے نہایت اضطراب کی حالت میں اور ڈرتے ڈرتے ایک سوال نامہ پیش کیا اور اس کے جواب کی فرمائش کی، ایک صبح اٹھ کر جواب لکھنے بیٹھا تو خلاف معمول ایک ہی نشست میں اسے مکمل کر دیا، جو کسی قدر نوک پلک درست کرنے کے بعد نذرِ ناظرین ہے:

حضرت محترم!......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت! بندے کے دل میں کافی عرصے سے مدارس کے نصاب کے متعلق چند اشکالات وسوالات ہیں، جنہوں نے ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہوئی ہے، لہٰذا بندہ اس سے خلاصی پانے کے لیے تمام اشکالات کو آپ کی نظر کرنا چاہتا ہے۔ امید ہے کہ شفقت کے ساتھ سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں گے۔

۱:...... مدارس میں جدید فقہی مسائل کیوں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ وہ تمام قدیم مسائل پوری تشریح وتوضیح اور دلائل وبحث کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں، جن کی ہمارے دور (زمانے) میں دور کی بھی مماثلت نہیں پائی جاتی، اور ان مسائل کی موجودہ زمانے کے لحاظ سے تطبیق دینا بھی ممکن نہیں، ہمیں یہ سب تو پڑھایا جاتا ہے، لیکن مروجہ سودی نظام، لیزنگ، بیمہ پالیسی، بینکنگ، اکاؤنٹنگ اور پرائز بانڈ وغیرہ کے بارے میں ہم بالکل ناآشنا ہیں۔

۲:...... موجودہ زمانے میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہیے؟

۳:...... موجودہ زمانہ کے لحاظ سے عشر وخراج کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ اور ہماری زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

۴:...... کاغذی نوٹ کے بارے میں شریعت کی نظر میں ثمنیت کا کیا اعتبار ہے؟ حالانکہ جب کاغذی نوٹ کا اجرا کیا گیا تو اس کو سونے اور چاندی کے مساوی قرار دیا گیا، اب اس میں تفاوت پایا جاتا ہے، اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔

۵:...... تفسیر میں صرف تفسیر عثمانی پر ہی کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟ قرآن وحدیث کی حقانیت کو آج کی سائنس ثابت کر رہی ہے، ہمیں اس لحاظ سے کیوں نہیں پڑھایا جاتا؟ حالانکہ ایک عام دنیادار پروفیسر، علماً سے زیادہ اس کی تحقیق رکھتا ہے، اور جدت پسندوں کو ہمیں رجعت پسند کہنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔

۶:...... مدارس میں پانچ سال تک منطق کیوں پڑھا جاتی ہے؟ اوراس میں فضول قسم کی قیل وقال کی جاتی ہے؟ جن کا نہ فائدہ ہےاور نہ افادہ؟

۷:...... مدارس میں پانچ سال تک نحو کیوں پڑھائی جاتی ہے؟ ''کلمہ کی تعریف کوکلام کی تعریف پر کیوں مقدم کیا؟ کلام کی تعریف کوکلمہ کی تعریف سے کیوں موخر کیا؟ اس قسم کے فضول فلسفے پڑھائے جاتے ہیں، اورنتیجہ یہ ہے کہ دس سال تک عربی تکلم پر قدرت ہے، نہ انشاء پر۔

۸:...... مدارس میں تقابل ادیان سے متعلق کسی قسم کا موادنہیں پڑھایا جاتا؟ سوائے ان معتزلہ کے، جن کا وجود دنیا میں نہیں رہا۔

۹:...... دس سال مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والا شہریت، جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد رہتا ہےاور اپنی قومی زبان پر بھی مکمل دسترس حاصل نہیں کر پاتا۔ مدارس میں رائج اس نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں درج ذیل خرابیاں پیدا ہوگئیں:

الف:...... مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرے نے قبول نہیں کیا۔

ب...... مدارس دیہاتی ماحول اور چھوٹے طبقے تک محدود ہوگئے اور اہل ثروت کا مدارس کی طرف رجحان ختم ہوگیا۔

ج:...... علمأ کے اندر سے تحقیقی کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔

د:...... علمأ محدود ذہن کے ہوگئے۔

ہ:...... اس کے علاوہ کئی وجوہات حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم کے اس مکتوب گرامی سے بھی معلوم ہوتی ہیں، جو درج ذیل ہے:

مکرمان ومحترمان حضراتِ اکابر وذمہ دارانِ مدارس...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

اللہ پاک کا شکر ہے! بندہ بعافیت ہے، امید ہے آپ بھی بعافیت ہوں گے، آج ذمہ داران مدرسہ کو ایسے علمأ تیار کرنے چاہئیں، جن کو پڑھنے ہی کے زمانہ میں پڑھانے کی نیت کرائی جائے، وہ فارغ ہوکر پڑھائیں اور پڑھنے ہی کے زمانہ میں تھوڑا تھوڑا وقت لگا کر دعوت وتبلیغ سے مناسبت پیدا کریں، اور پڑھنے کے زمانہ میں جس کی طرف اس کا رجحان ہو، بیعت کا تعلق کرادیں، تاکہ پڑھنے کے ساتھ سلوک سے مناسبت ہوجائے، پھر وہ جہاں بیٹھے تینوں کام کرنے والا ہو: ایک طرف تعلیم دے رہا ہو، اور ایک جگہ تبلیغ کی خدمت کر رہا ہو، اور ایک طرف اپنے معمولات پورے کر رہا ہو، اور دوسروں کے معمولات پورے کرانے کا ذریعہ بن رہا ہو، آج پوری دنیا میں، ہر سال اتنے علمأ فارغ ہونے کے باجود، مکاتب میں پڑھانے والے نہیں ملتے، مدارس کی کتابیں پڑھانے والے نہیں ملتے، مراکز میں جماعتیں لے کر چلنے

والے نہیں ملتے اور خانقاہوں میں ذاکرین کی وہ تعداد نہیں ہوتی جیسی ہونی چاہیے، پوری دنیا میں جو کچھ اس لائن سے نظر آرہا ہے، وہ صُفّہ پر ایک ہی جگہ ہورہا تھا، وہیں مبلغین تیار ہورہے تھے، وہیں مجاہدین تیار ہورہے تھے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ صُفّہ کی ترتیب سارے اعمال ایک ہی جگہ ہورہے ہوں، میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں یہ ماحول بنایا جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے...... فقط والسلام۔

محمد طلحہ کاندھلوی

۲۱ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا فرمائے۔آمین۔اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع......... بندہ محمد عبداللہ، کراچی

جواب:...... میرے عزیز! آپ نے سوالوں کے ساتھ جواب کی جگہ تو چھوڑی نہیں، تاہم الگ کاغذ پر آپ کے تمام سوالات کا مختصر سا جواب نمبروار درج کیا جاتا ہے۔

ا:...... میرے عزیز! یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی شریعت کے ماخذ چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔اور ان سب کی اصل، بنیاد اور منبع قرآن کریم ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں بعض احکام تو صراحتاً مذکور تھے، اور جو احکام قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں تھے، آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ سلم نے حدیث شریف میں ان کی وضاحت فرمادی، اس لیے حدیث بھی قرآن کریم کی شرح وتفسیر ہے، پھر جو احکام ومسائل قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور نہیں تھے، حضرات صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور اکابر علمائے امت نے انہیں ان دو بنیادوں یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں مستنبط فرمایا، اور جن مسائل پر اکابر کا اجماع ہوگیا، وہ اجماعی مسائل قرار پائے، پھر جو مسائل اس کے علاوہ تھے، انہیں ان تین بنیادوں سے ماخوذ اصولوں پر قیاس کرکے معلوم کیا گیا اور اسی کا نام ''فقہ'' ہے۔لہٰذا فقہ میں پہلے اصول اور کلیات کا درس دیا جاتا ہے، اگرچہ اس میں بیشتر جزئیات سے بھی بحث کی جاتی ہے، مگر چونکہ جدید فقہی مسائل ہر دور کے الگ الگ ہوتے ہیں، لہٰذا حضرات علمائے کرام نے فقہ کے اصول وضع فرماکر ہر دور کے علماء کو اس قابل بنادیا کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں جدید فقہی مسائل کو سمجھا اور پڑھا سکیں۔

اگر موجودہ دور کے جدید مسائل کو اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اکابر علماء اور ارباب دینی مدارس نے بنیادی طور پر ان کا درس دیا ہے، چنانچہ قدوری، کنز اور ہدایہ یہ سمجھ کر پڑھ لی جائیں یا بالفاظ دیگر ہضم کرلی جائیں تو سود، جوا اور لاٹری کی تمام مروجہ شکلیں اور ان کا حکم بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ علماء جدید مسائل کیوں نہیں پڑھاتے؟ درحقیقت فقہ اور اصول فقہ سے لاعلمی کی علامت ہے۔

قدیم مسائل پوری توضیح وتشریح سے پڑھانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جن طلبہ وعلماء کو یہ اصول سمجھ میں آجائیں

گے، ان کو ان اصولوں کی روشنی میں جدید مسائل کا سمجھنا آسان ہوجائے گا، اور جو شخص قدیم مسائل اور ان کے اصول سمجھ لے گا، اس کو جدید مسائل سمجھنا اور ان کی تطبیق دینا آسان ہوجائے گا، مثلاً بیع قبل القبض، حرام اشیا کی بیع، قسطوں کا کاروبار، بیمہ لیزنگ وغیرہ، کون سا ایسا مسئلہ ہے جو فقہائے امت نے بیان نہیں فرمایا؟ تاہم اکابر علماء امت کے فتاویٰ اور ان کی تصنیفات میں ان پر مستقل بحث کی گئی ہے، جو کسی صاحب علم و عقل پر مخفی نہیں، کوئی ایک ایسا مسئلہ بتایا جائے جو ان اصول، قواعد اور کلیات سے ماورا ہو اور اس پر علماء نے کوئی راہ نمائی نہ کی ہو؟

۲:...... آپ کا ارشاد کہ: سونے، چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے اب زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہیے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ: دور حاضر کے مفتیان کرام اور ہندوپاک کے اربابِ تحقیق نے ان دونوں نصابوں (سونا اور چاندی) میں سے جو سستا ہو، اس کو وجوب زکوٰۃ کے لیے معیار قرار دیا ہے، اس لیے چاندی کے نصاب پر وجوب زکوٰۃ اور وجوبِ قربانی کا حکم ہے، یہ اگر ایک طرف انفع للفقراُ ہے تو وہاں احوط بھی ہے، کیونکہ اگر خدانخواستہ عنداللہ اس آدمی پر زکوٰۃ فرض تھی اور ہم نے اغنیاء کے نفع اور ان کی مشکلات کو پیش نظر رکھ کر اس کو زکوٰۃ سے بری قرار دے دیا تو وہ عنداللہ مجرم ہوگا۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے اور غور کیا جائے کہ شریعت کے احکام میں ضعفاُ اور فقراُ کا خیال رکھا گیا ہے، نہ کہ مال داروں اور طاقت وروں کا، گویا سونے کو نصاب قرار دینے کی صورت میں تو شاید و باید ہی کسی پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہوسکے گی، اس سے دولت کا ارتکاز ہوگا اور غربأ فقر احتاج تر ہوجائیں گے۔

بہر حال میں نہ تو مجتہد ہوں اور نہ ہی مفتی، البتہ اکابر اساتذہ اور مفتیانِ کرام کا جدید و قدیم فتویٰ یہی ہے کہ نصاب کا معیار ان دو چیزوں میں سے ہے وہ جو سستی ہو، اور چونکہ چاندی سستی ہے، اس لیے وہی نصاب ہے، اور ایسے شخص پر جو چاندی کے نصاب کا مالک ہو، زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے۔

۳:...... موجودہ زمانے کے لحاظ سے عشر و خراج کا طریقہ اور زمینوں میں سے عشری و خراجی کی تعیین کے سلسلہ میں عرض ہے کہ: جہاں تک ہمارے ملک کی زمینوں کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، چونکہ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی عشری اور کون سی خراجی ہے؟ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ سب کو عشری قرار دے کر سب کا عشر ادا کیا جائے، اس لیے اگر زمین بارانی ہو کہ صرف ہل چلا کر بیج ڈال دینے پر فصل تیار ہوجائے تو اس کی آمدنی پر عشر ہوگا یعنی آمدنی کا دسواں حصہ دیا جائے گا اور اگر اس کے اوپر پانی، کھاد اور اسپرے وغیرہ کے دوسرے اخراجات آتے ہوں تو نصف عشر یعنی آمدنی کا بیسواں حصہ بطور عشر دیا جائے گا۔

۴:...... جہاں تک کاغذی نوٹ کی حیثیت کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کاغذی نوٹ چونکہ عام طور پر اس سونے، چاندی کا بدل یا زر ضمانت ہوتے ہیں، جس کی بنیاد پر کاغذی نوٹ جاری کیے جاتے ہیں، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں سونے کا بدل تصور کیا جائے اور ان کے عوض سونے، چاندی کی ادھار خرید و فروخت نہ کی جائے، جبکہ

بعض دوسرے حضرات ان کو ثمن عرفی قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے ہاں ان کا حکم زر ضمانت کا نہیں، لہٰذا ان کے ہاں کاغذی نوٹوں کے عوض سونے، چاندی کی ادھار خرید وفروخت جائز ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ: اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا، اس لیے درست نہیں ہے کہ میرے نزدیک یہ اضافی بحث ہے، تاہم اکابر نے اس پر مستقل تصنیفات فرمائی ہیں اور اکابر کے مطبوعہ فتاویٰ میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ابتدائی طلبہ کے پڑھانے کی چیز نہیں، اس لیے کہ یہ ان کی ذہنی سطح سے اونچی چیز ہے، ہاں جو طلبہ تکمیل درس نظامی کے بعد فقہ میں تخصص کرتے ہیں، ان کو یہ موضوع بھی پڑھایا جاتا ہے اور وہ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔

جس طرح دنیا کے دوسرے علوم وفنون میں ابتداء اصول وکلیات پڑھا جاتے ہیں، اس کے بعد خاص خاص شعبوں میں تخصصات کرائے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے، مثلاً: جیسے ڈاکٹر بننے والوں کو پہلے ایم بی بی ایس کا کورس کرایا جاتا ہے، اس کی تکمیل کے بعد پھر طلبہ کی دلچسپی کے پیش نظر ان کے منتخب کردہ موضوعات، مثلاً: دل، دماغ، جگر، معدہ، سینہ، کان، ناک اور حلق کے امراض اور ان کی جراحی کے اصول وفروع میں تخصص کرائے جاتے ہیں، اور ایسا شخص اس شعبہ کا ماہر کہلاتا ہے، بالکل اسی طرح یہاں بھی وہی انداز اپنایا جاتا ہے کہ پہلے مطلقاً فقہی اصول ومبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کی تکمیل کے بعد طلبہ کی دلچسپی کے پیش نظر حدیث، فقہ، دعوت وارشاد، معاشیات اور اقتصادیات میں تخصصات کرائے جاتے ہیں، اس لیے کہ جو طالب علم، نفسِ فقہ اور اس کے اصول ومبادیات سے ناآشنا ہو، اس کو ان مخصوص مسائل میں الجھانے سے کیا اس کا دماغ منتشر نہیں ہوگا؟

۵:...... آپ کا یہ ارشاد کہ: ''تفسیر میں صرف تفسیر عثمانی ہی پر کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟'' اس لیے ناقابل فہم ہے کہ تفسیر عثمانی درس نظامی اور وفاق المدارس کے نصاب میں شامل نہیں ہے، اگر کوئی مدرسہ یا کسی مدرسہ کا کوئی استاذ اس کو درساً پڑھاتا ہے تو یہ اس کا انفرادی عمل ہے، بہر حال مقصود تو نفسِ قرآن کریم کا ترجمہ وتشریح ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اساتذہ اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں اور طلبہ کو بھی اس تفسیر سے استفادہ کی ترغیب دیتے ہیں، اور ایسا کرنا اس لیے مناسب ہے کہ تفسیر عثمانی کے مطالعہ سے نفسِ قرآن کریم سمجھ میں آجاتا ہے، لہٰذا تفسیر عثمانی کے مطالعہ کی ترغیب بھی اسی اصول کے پیش نظر ہے کہ طلبہ کو نفسِ قرآن کریم سمجھ میں آجائے، اور طلبہ غیر ضروری طویل لاطائل ابحاث میں نہ الجھیں، پھر جب نفسِ قرآن کریم سمجھ میں آجائے گا اور استعداد پیدا ہوجائے گی تو دوسری طویل تفسیروں سے استفادہ بھی آسان ہوجائے گا۔

اگر غور کیا جائے تو تفسیر عثمانی تمام متداول اردو تفاسیر کا اختصار وخلاصہ ہے۔ ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ تفسیر عثمانی ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہے، چنانچہ جو شخص پہلے تمام متداول عربی تفاسیر کا بغور مطالعہ کرے اور پھر تفسیر عثمانی کا

مطالعہ کرے تو اس سے اس کی ایک، ایک سطر بلکہ ایک ایک حرف کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سے کس تفسیر کے کس قول، اعتراض یا اشکال کا جواب اور مختلف تفسیری اقوال میں سے کس قول کو ترجیح دی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ برانہ منائیں تو درسِ نظامی میں تین سال تک قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر جلالین مکمل درساً پڑھائی جاتی ہے، جبکہ تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ سبقاً پڑھا کر تفسیری انداز اور قرآن کریم کے علوم و معارف سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کہ قرآن و حدیث کی حقانیت کو سائنس سے کیوں ثابت نہیں کیا جاتا، آپ کی بچکانہ سوچ کا مظہر ہے، کیونکہ سائنس سے اگر قرآن و سنت کی حقانیت کو ثابت کیا جائے تو کیا آئے دن تبدیل ہونے والے سائنسی نظریات کی اقتداء میں قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم کو بھی بدلا جائے گا؟ اگر نہیں، تو پھر قرآن و سنت کی حقانیت کو سائنس کی ضرورت نہیں، ہاں سائنس قرآن و سنت کے تابع اور اس کی ممد ہے اور اکابر نے اس پر کام کیا ہے، حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ کی کتاب ''سائنس اور اسلام'' قابل مطالعہ ہے۔

۶:...... دینی مدارس میں منطق اس لیے پڑھائی جاتی ہے تاکہ انسانی دماغ کی گرہیں کھل جائیں، فکری غلطیوں سے حفاظت ہو جائے اور معاندینِ اسلام کے فکری مغالطوں کا جواب باآسانی دیا جاسکے، پھر چونکہ قدیم و جدید دور کے ملاحدہ عقلیت پسند ہوتے ہیں اور عقلیات کو استعمال کرتے آئے ہیں، اس لیے عقلیت پسندی کے ان مریضوں کا علاج بھی اسی صورت میں ممکن ہوگا جب علماء کو اس فن سے مناسبت یا آگاہی ہوگی۔

اس سے ہٹ کر اکابر علمائے امت کی تصنیفات میں بھی چونکہ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات موجود ہیں، لہٰذا جو شخص اس فن سے ناواقف ہوگا، وہ دوسروں کو سمجھانے کی بجائے خود ان علوم سے استفادہ نہیں کر سکے گا، لہٰذا جس طرح قرآن و سنت کے فہم کے لیے علم صرف، نحو، معانی، بدیع، بلاغت و بیان کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح منطق کا جاننا بھی ضروری ہے۔ دیکھا جائے تو یہ بھی قرآن و سنت اور علوم نبوت کا خادم علم ہے، جس کی تعلیم نہایت ضروری ہے، پھر اکابر و اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ جن، جن اکابر نے منطق و فلسفہ پڑھا ہے، وہ اپنے، اپنے دور کے یگانہ روزگار تھے، اور انہوں نے کسی بھی میدان میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا، اس لیے چند سال پہلے تک ہمارے علماء اور طلبہ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ایک سال مستقل ''تکمیل'' کے نام سے ان فنون کو پڑھتے تھے، میرے خیال میں جو طلبہ ان فنون کی افادیت و لذت سے ناآشنا ہیں، وہی ان کی مخالفت کرتے ہیں، ورنہ یہ فن فہم و تفہیم دین میں بہت ہی ممد و معاون ہے، ہاں جو لوگ جس چیز سے ناآشنا ہوا کرتے ہیں، وہ ہی اس کے دشمن و مخالف ہوتے ہیں۔

۷:...... نحو کے ذریعہ فعل، فاعل، مفعول مبتدأ، خبر، شرط اور جزا کا پتا چلتا ہے، اگر اس کا پتا نہ چلے تو عربی عبارت کا معنی و مفہوم ہی صحیح طور پر واضح نہیں ہوگا۔ اگر مفعول کو فاعل یا فاعل کو مفعول بنا دیا جائے تو آپ اندازہ لگائیں کہ کس قدر

خطرناک حد تک معنی بدل جائے گا، مثلاً قرآن کریم کی سورۂ براۃ میں ہے کہ:

ترجمہ:......''بے شک اللہ اور اس کا رسول، مشرکین سے بری ہیں۔'' (براۃ:۳)

اگر بالفرض کوئی نحو کا فن نہ جانتا ہو اور وہ خدانخواستہ ''ورسولہ'' کا عطف مشرکین پر ڈال کر اس کو مجرور یعنی ورسولہٖ پڑھے اور نعوذ باللہ! اس کا ترجمہ یہ کرے کہ: ''اللہ، مشرکین سے اور اپنے رسول سے بری ہے'' تو وہ کس قدر تحریف کا مرتکب ہوگا، بلکہ قصداً ایسا پڑھنا بدترین کفر ہے، اس لیے نحو کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے تا کہ قرآن وحدیث کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ دس سال تک تعلیم کے باوجود عربی تکلم پر قدرت ہے، نہ انشا پر، اس کے جواب میں عرض ہے کہ اکابر علماً نے علم صرف، نحو، ادب اور منطق کی متداول کتب، درسِ نظامی میں اسی غرض سے شامل کی تھیں کہ ان کو پڑھ کر، بلکہ ہضم کر کے قرآن، حدیث، فقہ اور عربیت پر قدرت حاصل ہو جائے، چنانچہ بعض حضرات ان سے کماحقہ استفادہ کر کے دین وشریعت اور علوم نبوت کے علاوہ عربی بول چال پر بھی قدرت حاصل کر لیتے ہیں، جبکہ میرے اور آپ جیسے کوتاہ ہمت، بدمحنت اور ناقص استعداد لوگ اپنی کمی، کوتاہی کو چھپانے کے لیے اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس کو فضول جانتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں کرتے تو اس کے کماحقہ ثمرات وبرکات سے محروم رہتے ہیں، ورنہ ہندوپاک کے وہ اکابر، جن کی عربیت، فصاحت اور بلاغت پر دنیائے عرب سر دھنتی ہے، اور ان کے کلام کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے، وہ انہی دینی مدارس کے فارغ وفاضل تھے، ان میں سے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا موسیٰ خان روحانی بازی، مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مولانا وحید الزمان قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا ابوبکر غازی پوری، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا نور عالم خلیل امینی وغیرہ مدظلہم حضرت انہی مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں، جن کی عربیت وعظمت کی دنیا معترف ہے۔ آپ بھی اسی شوق ولگن سے پڑھیں تو آپ بھی ان کے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔

کیا عصری اسکولوں میں پڑھنے والے تمام طلبہ انگلش بول سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو ان پر کیوں اعتراض نہیں؟ جہاں تک عربی بول چال کا تعلق ہے، یہ ماحول اور ممارست کی محتاج ہے، آپ بھی اس کی مشق کریں تو اچھے عربی انشا پرداز ہو جائیں گے، چنانچہ ہمارے وہ طلبہ جو عرب جامعات میں پڑھنے جاتے ہیں، کیا وہ عربی لکھتے، بولتے نہیں؟

۸:......آپ کا یہ فرمانا کہ ہمارے مدارس میں سوائے معتزلہ کے دوسرے فرق کی تردید اور تقابلِ ادیان پر کچھ نہیں پڑھایا جاتا، اس سلسلے میں دیکھا جائے تو ہماری قدیم کتب میں جن فتنہ پردازوں اور ان کے فتنوں کا تذکرہ ہے، آج بھی

ان کے جانشین موجود ہیں، مگران کے نام اور شبہات کے انداز بدل گئے ہیں، معتزلہ ''اعتزال'' سے ہے اور اعتزال کے معنی ہیں جمہور سے الگ راہ اختیار کرنا، لہٰذا آج بھی جو شخص یا فرقہ جمہور سے الگ راہ اختیار کرتا ہے وہ معتزلی ہے، معتزلہ بھی عقلیت پسند تھے اور آج بھی عقلیت پسندی کا دور دورہ ہے، لہٰذا عقلیت پسندی کی تردید آج کے دور کے عقلیت پسندوں کی تردید ہے۔

جہاں تک تقابلِ ادیان کا معاملہ ہے، بحمد اللہ! ہمارے دینی مدارس میں اس کی بھی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے، مگر ہر شئے کا ایک موقع محل اور وقت ہوتا ہے، ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: پہلے اپنا مسلک و مذہب سیکھو، بعد میں تردیدِ باطل سیکھو، یہ تو کوئی عقلمندی نہ ہوئی کہ اپنا دین و مذہب اور مسلک و مشرب تو معلوم نہ ہو، اور دوسروں کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنا شروع کر دیا جائے، پھر تو وہی لطیفہ ہوگا جس طرح ایک جاہل نے کسی کافر کو ڈنڈا دکھا کر کہا کہ: پڑھو کلمہ، ورنہ قتل کر دوں گا، جب ڈرے سہمے کافر نے کہا: کہ چلو پڑھا دو کلمہ، تو بیچارہ ڈنڈا بردار مارے شرم کے بغلیں جھانکنے لگا، اس لیے کہ خود اس کو بھی کلمہ نہیں آتا تھا، چنانچہ دل ہی دل میں کہنے لگا اے کاش کہ! مجھے کلمہ آتا ہوتا تو آج ایک کافر مسلمان ہو جاتا۔

۹:...... یہ بھی آپ کی بے توجہی ہے کہ مدارس میں دس سال پڑھنے والا شہریت، جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد ہوتا ہے، اس لیے کہ پہلے تو دینی مدارس کا موضوع ہی دین پڑھانا ہے، نہ کہ دنیا اور اس کے علوم۔ کیا کبھی کسی اسکول و کالج کے طالب علم سے بھی سوال کیا کہ سولہ سال پڑھنے کے باوجود آپ کو بنیادی اسلامی عقائد اور عربی سے ناآشنائی کیوں ہے؟

جبکہ بحمد اللہ! ہمارے مدارس میں یہ دنیوی علوم اب باقاعدہ پڑھائے بھی جاتے ہیں، اس کے علاوہ دیانت داری کی بات یہ ہے کہ جو شخص دینی مدارس کے اس نصاب کو پڑھ لیتا ہے، اسے یہ دنیوی علوم محض تھوڑی سی توجہ اور مطالعہ سے بآسانی حاصل ہو جاتے ہیں، اور ایسی کئی ایک مثالیں موجود ہیں، اگر یقین نہ آئے تو راقم کئی ایک مثالیں پیش کر سکتا ہے۔

۱۰:...... آپ کا یہ فرمان بھی ناقابل فہم ہے کہ:

الف:...... ''مدارس میں رائج نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں یہ خرابیاں ہوگئیں کہ: مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرہ نے قبول نہیں کیا۔'' اس لیے کہ انہی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء نے آج تک امت کی راہ نمائی کی ہے اور ہندوپاک میں موجودہ دینی فضا اور دیانت داری کی ساری شکلیں انہیں علماء کی مرہونِ منت ہیں، ورنہ مصر اور دوسرے کئی عرب ممالک میں خود علماء دینی وضع قطع سے محروم ہیں، وہاں ستر و حجاب کا تصور معدوم ہے، کافروں اور مسلمانوں کی مستورات کے لباس میں عریانی کی حد تک مماثلت ہے، آج جس طرح ہندوپاک میں علماء پر مسلمان اعتماد کرتے ہیں، دوسرے کئی عرب ممالک کے علماء اس اعتماد سے یکسر خالی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دینی مدارس اور ان کا خالص دینی و مذہبی نصاب ابنائے کفر کی نگاہ میں کھٹکتا ہے، اگر معاشرے نے ان کو قبول نہ کیا ہوتا تو معاشرہ ان کی تعلیمات کو کیوں اپناتا؟ اور معاشرے کی یہ اچھی حالت کیوں کر ہوتی؟

بحمد اللہ! ہند و پاک میں اس نصاب اور مدارس کی اس کارکردگی کا نتیجہ ہے کہ یہاں دینی مراکز قائم ہیں، خانقاہیں آباد ہیں، تبلیغی جماعت اپنا کام کر رہی ہے، قادیانیوں اور دوسرے لادینی طبقات کا ناطقہ بند ہے، مساجد و مدارس آباد ہیں، لوگوں کے چہروں پر سنت رسول کی شادابی ہے، خواتین ستر و حجاب سے مزین ہیں، دینی اسکول اور حفظِ قرآن کے مدارس میں لاکھوں مسلمان بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور بحمد اللہ! کراچی ہی میں ماہانہ ڈھائی سے تین ہزار روپے فیس دے کر مسلمان اپنے بچوں کو حفظِ قرآن اور دینی و عصری تعلیم دلا رہے ہیں، کیا اب بھی کہا جائے گا کہ معاشرے نے ان کو قبول نہیں کیا؟

ب:...... آپ کا یہ فرمان کہ: ''مدارس دیہاتی اور چھوٹے طبقے کے لیے محدود ہوگئے اور اہل ثروت کا مدارس کی طرف رجحان ختم ہو گیا'' کم از کم میرے لیے ناقابل قبول ہے، اس لیے کہ بحمد اللہ! مدارس میں اب ایک معقول تعداد ان بچوں کی ہے جو لکھ پتی نہیں، کروڑ پتی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے، اگر اہل ثروت کا ان مدارس کی طرف رجحان ختم ہو گیا ہوتا تو یہ مدارس بند نہ ہو گئے ہوتے؟ حالانکہ ان مدارس میں سے متعدد ایسے ہیں جن کا سالانہ میزانیہ کروڑوں کا ہے، آخر یہ فنڈ کہاں سے آتا ہے؟ یہ اہلِ ثروت کے مدارس کی طرف رجحان کی دلیل ہے یا رجحان کے ختم ہونے کی؟ آپ ہی فیصلہ فرمائیں؟

پھر اگر کچھ محروم القسمت ان مدارس کی طرف توجہ نہیں کرتے یا ان کو یہ نظام ناپسند ہے، تو اس میں اس دور کے اہلِ ثروت کی کیا تخصیص ہے؟ یہ طبقہ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھا جو کہا کرتا تھا:

ترجمہ:...... ''جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہیں، ان پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ تنگ آکر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔'' (منافقون:۷)

آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ کیا نعوذ باللہ! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام تعلیم کے نقص کی وجہ سے تھا؟ یا ان محروم القسمت کی شقاوتِ ازلی کی بدولت؟

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دین کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور نچلے طبقے کے لوگ رہے ہیں، جبکہ اصحابِ ثروت الا ماشاء اللہ! ہمیشہ اس کے مخالف رہے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ترجمہ:...... ''اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو، حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں، تب ثابت ہوگئی ان پر بات، پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔'' (بنی اسرائیل:۱۶)

میرے عزیز! غریبوں کا دین پڑھنا یا دین کو اپنانا اور مال داروں کا اس طرف توجہ نہ کرنا ان کے اپنے اختیار اور پسند و ناپسند سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ یہ انتخاب، انتخابِ الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ دراصل یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ میں چاہوں تو کمزوروں سے اپنے دین کا کام لے سکتا ہوں اور نہ چاہوں تو حکومت واقتدار اور ملک و مال کے مالک اصحابِ ثروت اور

خاندانی شرافت سے متصف افراد کو اس سے محروم رکھ سکتا ہوں، اگر چاہوں تو کافروں کے گھرانوں سے انبیاء پیدا کردوں اور نہ چاہوں تو انبیاء کی اولاد کو اس نعمت سے محروم کرسکتا ہوں۔

غور کیا جائے تو اس میں بھی حکمتِ الٰہی کا یہ راز پنہاں نظر آتا ہے کہ کل کلاں کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دین اسلام اس لیے پھیلا اور پھولا کہ اس کے پیچھے مال و دولت یا ملک واقتدار کی قوت وشوکت تھی، بلکہ بتایا گیا کہ دین ومذہب محض اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت سے پھیلا کرتا ہے اور اس کی پشت پر بظاہر کوئی نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس انتخاب الٰہی پر جہاں دین اور علم دین سے دور، اصحاب ثروت کو اپنی محرومی پر افسوس کرنا چاہیے، وہاں دین دار اور غریبوں کو بارگاہ الٰہی میں سراپا تشکر وامتنان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دین کے باغ کی باغبانی کے لیے منتخب فرمالیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنے اس دین کے باغ کے لیے پودے لگاتے رہیں گے، جو اس باغ کی سرسبزی وشادابی اور اس کی حفاظت وصیانت کے اعلیٰ مقصد کو پروان چڑھاتے رہیں گے، جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے:

ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ (قیامت تک) اس دین کے لیے پودے لگاتے رہیں گے اور انہیں اپنی طاعت کے کاموں میں استعمال کرتے رہیں گے۔'' (ابن ماجہ ص:۳)

ج:......آپ کا یہ ارشاد کہ: ''علماء کے اندر سے تحقیقی کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔'' اگر چہ منجملہ آپ کی بات درست ہے کہ اب پہلے کا سا ذوق علماء کے اندر بھی نہیں رہا، اور جیسی محنت وجد وجہد اور خلوص ہونا چاہیے تھا، اب ویسا نہیں ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اب علماء سرے سے کام ہی نہیں کررہے، کیونکہ بحمد اللہ! اب بھی علماء حسب استعداد اور حسب ضرورت اپنی، اپنی بساط کے مطابق کام کررہے ہیں، اگر یہ علماء اپنا کام چھوڑ چکے ہوتے تو پوری دنیا کا کفران کا مخالف نہ ہوتا، کیونکہ لڑائی اور جنگ وہاں ہوتی ہے جہاں کسی سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، جس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیائے کفر کو مسلم علماء کی مساعی اور کاوشوں سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے، اس کی ایک مثال افغانستان پر پہلے روس اور اس کے بعد امریکا کی یلغار ہے، اسی طرح عراق، شام، لبنان وغیرہ، اس کے علاوہ پوری دنیا میں علماء کو ''دہشت گرد، مذہبی جنونی'' وغیرہ کے القابات اس لیے دیے جاتے ہیں کہ علماء امت، دنیائے کفر کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار نہیں۔

جہاں تک تحقیقی کام کا تعلق ہے، تو سو نقائص کے باوجود آج بھی علماء مختلف شکلوں اور مختلف عنوانات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں، چنانچہ ہندوپاک میں ایسی کئی ایک اکیڈمیاں اور ادارے وجود میں آچکے ہیں جو مسائل حاضرہ پر غور وفکر کے امت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، مثلاً: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا سید نصیب علی شاہ وغیرہ ایسے کئی حضرات ہیں جنہوں نے مختلف سیمینار اور

کانفرنسیں منعقد کر کے امت کو اس طرف متوجہ کیا اور جدید خطوط پر کام کرنے کی دعوت دی، اور اس سلسلے کا جدید تحقیقی کام مختلف کتابوں کی شکل میں منظر عام پر آ چکا ہے، جبکہ ''مجلس مسائل حاضرہ'' کے عنوان سے آپ کے کراچی میں مستقل ایک عنوان ہے، جس کے تحت علماء اہلِ حق باہمی مشاورت سے جدید و گھمبیر مسائل پر امت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں، اس کے علاوہ اگر کسی عنوان پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے اور علماء اس سے غافل ہیں تو اس کی نشان دہی کی جائے۔

د:...... آپ کے ارشاد کہ: ''علماء محدود ذہن کے ہو گئے'' کا اگر یہ مطلب ہے کہ علماء ہر وقت دین و مذہب کی بات کرتے ہیں، اس کے علاوہ، وہ کوئی سوچ نہیں رکھتے، تو آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص جس عنوان پر محنت کرے گا، اس کے ذہن میں ہر وقت اسی کے تانے بانے ہوں گے، مثلاً: جیسے وکالت پڑھنے والا ہمیشہ وکالت کے بارے میں سوچے گا، ڈاکٹر اپنی طب اور جراحت سے متعلق سوچے گا، لیکن اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ علماء جمود پسند ہیں اور مسائل حاضرہ یا بین الاقوامی امور پر نہیں سوچتے، تو آپ کا ارشاد حالات، واقعات اور مشاہدات کی رو سے بداہتاً غلط ہے، کیونکہ ایسے کسی عالم دین کا نام نہیں بتایا جا سکتا جو حالاتِ حاضرہ یا امت کی حالت زار سے بے خبر ہو، یا اس کے لیے فکر مند نہ ہو، یا اس کے سدباب کے لیے عملاً متحرک نہ ہو، یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی حرکت نظر آتی ہے اور کسی کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔

ہ:...... جہاں تک حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے مکتوب کا تعلق ہے، اس میں انہوں نے مدارس کے طریقہ کار اور نصاب پر کوئی اشکال نہیں فرمایا، بلکہ انہوں نے اربابِ مدارس اور علماء کرام کو طلبہ کی ذہنی، فکری استعداد اور عملی قوت میں اضافہ اور نکھار پیدا کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ طلبہ کو ان امور کی طرف توجہ دلائی جائے تا کہ ان سے افادہ اور استفادہ زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔

ان کے مکتوب کی غرض یہ ہے کہ اگر ان طلبہ کی ان خطوط پر تربیت کی جائے تو وہ دوسرے میدانوں میں جانے کی بجائے مدارس، مکاتب میں تدریس کے علاوہ اصلاحِ امت کی غرض سے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ چلنے اور نکلنے کو اپنی ضرورت سمجھیں گے، تو امت کو زیادہ نفع ہو گا۔

جبکہ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے ذی استعداد افراد، دوسرے میدانوں میں کھپ جاتے ہیں، کوئی اسکول و کالج میں چلا جاتا ہے، تو کوئی فوج و عدلیہ کا رخ کرتا ہے، کوئی تجارت کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے، تو کوئی بیرون ملک چلا جاتا ہے، یوں ہماری محنت کا پھل اور ثمرہ دوسرے لوگ کھاتے ہیں اور ہماری محنت کا ثمرہ ہمیں کم اور دوسروں کو زیادہ ملتا ہے، گویا ان کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا خام مال اغیار کی بھٹیوں کا ایندھن نہ بنے، بلکہ ان میں کا ہر فرد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی،

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بن کر مدرسہ صفہ کے نظام کو چلانے والا بن جائے۔

برادر عزیز! یہ بھی شیطانی حربہ اور چال ہے کہ وہ طلبہ عزیز کے دلوں میں ایسے وساوس وشبہات ڈال کر دراصل انہیں اسلاف سے بدظن کر کے ان علوم سے محروم کرنا چاہتا ہے، چونکہ شیطان براہ راست تو طلبہ کو ان علوم کی تحصیل سے نہیں روک سکتا، اس لیے وہ ان علوم کو بے مقصد، لایعنی، عبث اور فضول قرار دے کر طلبہ کو ان کی تعلیم سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن طلبہ کے دل ودماغ میں ان علوم یا کتب کی اہمیت نہیں ہوتی، وہ ان میں محنت بھی نہیں کرتے، اور وہ مسلسل ناکام ہونے کی وجہ سے غبی اور بداستعداد ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ مدارس سے ان کا جی بھر جاتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ دینی مدارس سے نکل کر دنیائے دنی کے پیچھے مارے پھرتے ہیں۔

شیطان جانتا ہے کہ ایک عالم اس پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے، اس لیے وہ طلبہ کو علوم نبوت سے محروم رکھنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے، چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ ''آپ بیتی'' میں اپنے زمانہ طالب علمی کے ایک سبق آموز واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس نابکار (حضرت شیخ الحدیثؒ) کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی، ابا جان نے آکر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا کہ: ''سبق یاد نہیں کیا جاتا'' میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس) رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے، بعد مغرب سے عشاء کی اذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے، لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سی نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا، کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی، دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے، مگر جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی، وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا، اس لیے کہ جب نفلیں پڑھنے کا دور آیا، اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔''

(آپ بیتی، جلد اول ص: ۲۰)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت، علوم نبوت، فقہ وحدیث اور دین وشریعت کا سچا پیروکار اور اپنے اسلاف واکابر کا صحیح جانشین بنائے اور نفس وشیطان کے مکر وفریب سے محفوظ فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

☆......☆